اختر شیرانی

پبلشرز

اُردو اکیڈمی پنجاب لوہاری دروازہ لاہور

دسمبر ۱۹۳۱ء

قیمت ۱۲؍

دین محمدی پریس سرکلر روڈ لاہور میں باہتمام ملک محمد عارف پرنٹر چھپوا کر محمد حنیف نے
اپنے کتب خانہ اردو اکیڈمی پنجاب بیرون لوہاری دروازہ لاہور سے شائع کیا۔

پیارے حکیم صاحب (یوسف حسن)

تسلیم۔ عرض ہے کہ آپ کی فرمائش درباب اشاعت
بست سانیٹ بصورتِ کتاب، مجھے پسند آئی۔ آپ میرے
۲۰ سانیٹ ایک کتاب کی صورت میں شائع کر سکتے ہیں۔ مارچ ۱۹۴۱ء
سے لیکر مارچ ۱۹۴۳ء تک آپ اس کتاب کو فروخت کر سکتے ہیں
"نیرنگِ خیال" کی اعانت کے سلسلے میں یہ میرا ناچیز نذرانہ ہے قبول فرمائیے

والسلام

آپ کا
اختر شیرانی

ہدیۂ تشکّر

میرے کرم فرما اور محترم دوست حضرت اختر شیرانی ابتدا ہی سے نیرنگِ خیال کی قلمی اعانت فرماتے رہے ہیں اور آپ کا کلام بالتزام نیرنگِ خیال میں شائع ہوتا رہا ہے آپنے موجودہ وقت میں جبکہ کاغذ کی گرانی نے رسائل کے مالیات کو بہت بڑی حد تک نقصان پہنچایا ہے، اپنے جدید طرز کے کلام (سانیٹ) کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرما کر ادارہ کی قابلِ قدر اعانت فرمائی ہے۔

اختر صاحب کی اس نیرنگ نوازی کیلئے میں اُن کا تہِ دل سے ممنون و مشکور ہوں۔

سانیٹ حضرت اختر شیرانی کی ایجاد ہے اور بلاشبہ وہ اتنی مقبول ہے کہ اب اکثر شعرا اس طرز میں لکھنے لگے ہیں حضرت اختر شیرانی نے قریباً ۱۵۰ سانیٹ لکھے ہیں لیکن اُن کے منشا کے مطابق اُن کا انتخاب شائع کیا جا رہا ہے۔ توقع ہے کہ علم دوست اور ادب نواز حضرات ان دُرہائے بے بہا کی قدر فرمائینگے

نیازمند

حکیم یوسف حسن

مدیر نیرنگ خیال لاہور

پیش لفظ

ہم میں سے اکثر کو وہ زمانہ یاد ہوگا جب اختر شیرانی پہلے پہل موجودہ شاعری کے میدان میں وارد ہوئے، یوں تو موجودہ دور سے پہلے ہمارے ادب میں حسن وعشق کے مرقعے بھی موجود تھے اور حدیثِ دل کے مفسّر بھی، لیکن ہمارے ہمعصر نوجوان حسن وعشق کے اس تصوّر سے ایک بُعد سا ایک اجنبیّت سی محسوس کرتے تھے، انہیں محسُوس ہوتا تھا کہ ان پرانے شعرا کا حسن، یا بالکل خیالی اور غیر مرئی ہے یا بالکل سفلی اور غیر دلکش، ان کا عشق یا بالکل متین اور حزن آفریں ہے یا بالکل اوباش اور آبرو باختہ، سماج کی ہر عورت یا تو شریف عورت تھی جسکے متعلّق عشقیہ لہجہ میں گفتگو کرنا بداخلاقی تھی یا پھر بیسوا تھی جسکے متعلّق ساری دنیا میں ایک ہی لہجہ سے گفتگو کیجاتی ہے، چنانچہ بیسویں صدی کے نوجوانوں کو عنفوانِ شباب کی اُس خوبصورت اور والہانہ کیفیّت کا کوئی ترجمان نہیں ملتا تھا جس کے زیرِ اثر ہوس اپنی پاکیزگی اور خلوص کی وجہ سے

عشق بن جاتی ہے اور مادی جسم اپنے حسن اور لطافت کی وجہ سے رُوح میں مدغم ہو جاتا ہے، یہ وجدان، یہ الہانہ پن دراصل اُس احساسِ آزادی کے اجزا تھے جس کی لذت پرانی سماجی قیود کی شکست اور نئے ذہنی اثرات کے نفوذ کی وجہ سے ہمارے دور کے نوجوانوں نے سب سے پہلے محسوس کی، اس ہیجانی دور کے فوری اثرات ایک ذہنی اور جذباتی غیر ذمّہ داری، ایک دُنیا و مافیہا سے بے خبر رومانیت، اور ایک تُند لیکن پاکیزہ لذّت پسندی کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ اختر شیرانی اسی تحریک کے سرکردہ شعراء میں سے ہیں۔ اُن کی شاعری اسی احساسِ بلوغت کی متحیّر، گلکار، مخملیں شاعری ہے، ہر تصویر، ہر مشاہدہ، دھنس کی طرح تخیّل کے کف سے آہستہ آہستہ نمودار ہوتا ہے اور بالکل عُریاں نہیں ہونے پاتا، ان میں کہیں محسوسات کی لذت ہے کہیں تصوّرات کی رنگینی، کہیں اصوات کا ترنّم ہے کہیں معانی کی خواب آفرینی

یہ دُنیا، یہ نظارے اور یہ رنگینی فضاؤں میں!

یہ جلوے چاند سورج کے یہ تابانی ستاروں کی!

یہ نزہت لالہ زاروں کی، یہ رفعت کوہساروں کی!

یہ بھینی بھینی آوارہ سی خوشبوئیں ہواؤں میں!
یہ بکھری بکھری مستی جھومنے والی گھٹاؤں میں!

یہ تیزی آبشاروں کی، روانی جوئباروں کی!
یہ پھولوں کا ہجوم اور یہ لطافت سبزہ زاروں کی!

یہ موسیقی جو رقصاں ہے پرندوں کی صدائیں!

تری صورت سراسر، پیکرِ مہتاب ہے سلمیٰ!
ترا جسم اک ہجومِ ریشم و کمخواب ہے سلمیٰ!

شبستانِ جوانی کا تو اک زندہ ستارہ ہے!
تو اس دنیا میں بحرِ حسنِ فطرت کا کنارہ ہے!

تو اس سنسار میں اک آسمانی خواب ہے سلمیٰ!

سراپا، اک خیالی حور، جسمِ نازنیں تیرا!
مجسم خندۂ خوابِ پری روئے حسیں تیرا!

یہ موتی۔ یہ جبیں یا انجم و مہتاب کا عالم!
پریشاں خواب کا سا گیسوئے شب تاب کا عالم!
چمن زارِ شعاعِ نور، عکسِ دل نشیں تیرا!

اس مجموعہ میں کچھ سانیٹ ہیں اور چند سانیٹ نما نظمیں، سانیٹ ایک بہت ہی پابند اور محدود صنفِ سخن ہے اور جب موجودہ شعرا ظرفِ تنگنائے غزل کی شکایت کرتے ہیں تو مجھے اس صنف کی مقبولیت کو دیکھکر اکثر حیرت ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ اس مقبولیت کی ایک اہم وجہ اختر شیرانی کی نظموں کی کامیابی ہے، ماحول کی روز افزوں تلخی اور کشمکشِ حیات کی سخت گیری کی وجہ سے ہماری شاعری کا رُخ پھر بدل چلا ہے، لیکن اغلب ہے کہ خالص شاعرانہ محاسن کی وجہ سے ان نظموں کی تفریحی قیمت ہمیشہ برقرار رہے گی +

فیض

عذرا

پری و حور کی تصویر نازنیں عذرا!

شہید جلوۂ دیدار کر دیا تو نے!
نظر کو محشرِ انوار کر دیا تو نے!

بہار و خواب کی تنویر مرمریں عذرا!
شراب و شعر کی تفسیر دلنشیں عذرا!

دل و دماغ کو سرشار کر دیا تو نے!
شباب و شعر کو بیدار کر دیا تو نے!

مری حسین، مری ناز آفریں عذرا!

دیارِ دل میں تو آئی بہار کی صورت

گدائے حسن سے اظہارِ عشق تو نے کیا!

گناہگار سے اقرارِ عشق تو نے کیا!

بسی دماغ میں کیف و خمار کی صورت!

مٹا سکے گا نہ اب دورِ آسماں مجھکو!

کہ ہے نصیب ترا عشق نوجواں مجھکو!

سلمیٰ

بہارِ حسن کا تو غنچۂ شاداب ہے سلمیٰ!

تجھے فطرت نے اپنے دستِ رنگیں سے سنوارا ہے!
بہشتِ رنگ و بُو کا تو سراپا اک نظارہ ہے!

تری صورت سراسر پیکرِ مہتاب ہے سلمیٰ!
ترا جسم اک ہجومِ ریشم و کمخواب ہے سلمیٰ!

شبستانِ جوانی کا تو اک زندہ ستارہ ہے!
تو اس دنیا میں بحرِ حسنِ فطرت کا کنارہ ہے!

تو اس سنسار میں اک آسمانی خواب ہے سلمیٰ!

جہانِ قدس کا تو ایک نورانی فسانہ ہے!

تجھے سلمیٰ دیارِ ناز کی اِک ساحرہ کہیئے!

صنم آبادِ عفّت کی مقدس کافرہ کہیئے!

ربابِ حسن کا تو ایک الہامی ترانہ ہے!

پرستانِ لطافت کی تو اک رنگیں کہانی ہے!

جوانِ فطرت کا تو اک گمشدہ خوابِ جوانی ہے!
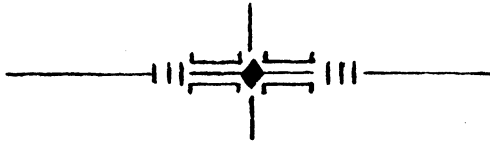
ایک تصویر

یہ حسنِ نازنیں یہ جلوۂ ناز آفریں تیرا!

یہ معصومانہ چہرہ غنچۂ شاداب کا عالم!

یہ مستانہ نگاہیں اک بہشتی خواب کا عالم!

سراپا، اک خیالِ حور، جسمِ نازنیں تیرا!

مجسّم خندۂ خوابِ پری روئے حسیں تیرا!

یہ موتی۔ یہ جبیں یا انجمِ مہتاب کا عالم!

پریشاں خواب کا سا گیسوئے شب تاب کا عالم!

چمن زارِ شعاعِ نور، عکسِ دلنشیں تیرا!

تو از سر تا بپا اک نکہت و تنویر ہے سلمیٰ!

شراب و شعر و موسیقی میں پنہاں تیری رنگت ہے!

مرے خاموش دل میں موجزن تیری محبّت ہے!

بہار اور خواب کا ہیکل تری تصویر ہے سلمیٰ!

ادا، اس طرح فرضِ رونمائی کچھ تو کر جاؤں!

تری تصویر، سینے سے لگا لوں اور مر جاؤں!

کلوپیٹرا
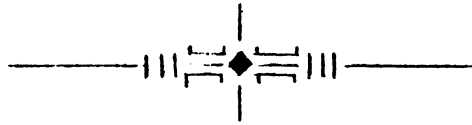
وادیٔ نیل پہ طاری تھا بہاروں کا سماں!

جلوۂ سبزہ و گل سے تھیں فضائیں شاداب!
نشۂ بادِ بہاری سے ہوائیں شاداب!

محوِ پرواز تھا رنگین ستاروں کا سماں!

مائلِ رقص ہو جس طرح شراروں کا سماں!

نورِ انجم سے تھیں وادی کی ادائیں شاداب!
نکہت و رنگ کی آوارہ گھٹائیں شاداب!

چار سو بال فشاں میکدہ زاروں کا سماں!

یک بیک اِک شفق اندام ستارہ ٹوٹا!

بن کے اک غنچۂ زرّین گرا وادی میں!

اور اک خواب نما پھُول کھِلا وادی میں!

دیکھتے دیکھتے نیرنگِ نظارہ ٹوٹا!

جلوۂ فطرت رنگیں کی تھی تنویر اُس میں!

ایک عورت کی پریشان تھی تصویر اُس میں!
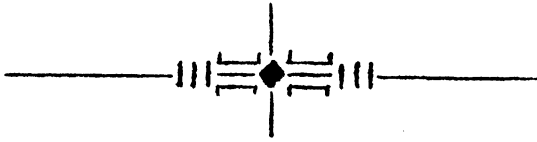
انانیت

چھا رہی ہوں پستیوں پر دیوداروں کی طرح

اور بلندی پر عقابِ پرفشاں کی شکل میں
اک نگاہِ بے صدا و بے نشاں کی شکل میں

سربلندی پائی میں نے کوہساروں کی طرح
کوہساروں سے بھی برتر ابرزاروں کی طرح

حدِ آخر میری صورت آسماں کی شکل میں
عظمتوں سے کھیلتی ہوں کہکشاں کی شکل میں

نغمہ زن ہوں بزمِ خاکی پر ستاروں کی طرح

رعد کی صورت گرجتی ہوں بساطِ خاک پر

کانپ اٹھتے ہیں سمندر جس سے وہ طوفاں ہوں میں

سینۂ ہستی کی اک فکر شرر افشاں ہوں میں

ہیں قدم میرے زمیں پر سر مرا افلاک پر

صورتِ اندیشہ مستی میں بپھر جاتی ہوں میں

پردہ ہائے ماہ و انجم سے گذر جاتی ہوں میں
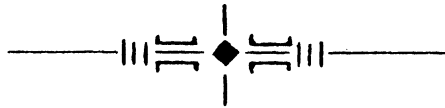
یادِ رفتہ

محبت کی امنگیں میرے دِل کو گدگداتی ہیں

کہ اک بھولی ہوئی مہ رو کو جا کر پیار کر آؤں

سرورِ عشقِ رفتہ سے اُسے سرشار کر آؤں

یہ کہہ دوں تیری وہ چھبلی ادائیں یاد آتی ہیں

تیری نظریں تصوّر میں ابھی تک مسکراتی ہیں

وہ نظریں چاہتا ہوں پھر انہیں بیدار کر آؤں

جہاں بھر کے خیال و خواب سے بیزار کر آؤں

یہ بے خود آرزوئیں مجھ کو دیوانہ بناتی ہیں

مگر پھر سوچتا ہوں جاؤں کیونکر اُسکے ایواں تک؟

کہ اُس نے مدّتوں سے اِک نئی دنیا بسائی ہے

وہ دُنیا آہ جو میری نہیں ہمدم پرائی ہے

تصوّر بھی پہنچ سکتا نہیں جس کے شبستاں تک

تو ہمدم اپنے غم کا کس طرح اظہار کر آؤں

اور اُس بھولی ہوئی مہ رُو کو کیونکر پیار کر آؤں

تیتری

یہ تیتری ہے یا کوئی رنگِ پریدہ ہے
بوئے چکیدہ ہے

آغوشِ گل میں یا کوئی نقشِ دمیدہ ہے
عکس کشیدہ ہے

اُٹھّے تو ایک بوسۂ رقصیدہ سامنے

پاشیدہ سامنے

بیٹھے تو ایک لذّتِ خوابیدہ سامنے
دامن کشیدہ ہے

جوئے صبا میں ہلکا سا طوفانِ رنگ و بُو

ہیجانِ رنگ و بُو

دوشِ فضا پہ چھوٹا سا نیسانِ رنگ و بُو
جو صف کشیدہ ہے

اک پُر بہار نقش ہے عشرت کے خواب کا
عہدِ شباب کا
یا برگِ گل پہ لرزشِ جامِ شراب کا
عکسِ رمیدہ ہے
ہلکی سی اک شعاع ہے طورِ کلیم پر
سطحِ نسیم پر
رقّاصۂ بہار کا فرشِ شمیم پر
رقصِ پریدہ ہے
اُبھرا ہوا سا عکس ہے رنگیں غبار کا
کیف و خمار کا
یا شاخسارِ گل پہ عروسِ بہار کا
حُسنِ رمیدہ ہے
اک نو عروس کی نگہِ انفعال ہے
شرمِ وصال ہے
یا اک شعاع پرتوِ قوس و ہلال ہے
اور نو دمیدہ ہے

یہ دنیا، یہ نظارے اور یہ رنگینی فضاؤں میں!

یہ جلوے چاند سورج کے یہ تابانی ستاروں کی!

یہ نزہت لالہ زاروں کی، یہ رفعت کوہساروں کی!

یہ بھینی بھینی آوارہ سی خوشبوئیں ہواؤں میں!

یہ بکھری بکھری مستی جھومنے والی گھٹاؤں میں!

یہ تیزی آبشاروں کی، روانی جوئباروں کی!

یہ پھولوں کا ہجوم اور یہ لطافت سبزہ زاروں کی!

یہ موسیقی جو رقصاں ہے پرندوں کی صداؤں میں!

یہ نغمے، یہ ترانے، یہ شراب و شعر کا عالم!

یہ آرائش مکینوں کی یہ زیبائش مکینوں کی!

یہ رعنائی حسینوں کی یہ صحبت نازنینوں کی!

یہ عمریں، یہ بہاریں، یہ شباب و شعر کا عالم!

نہ لے جا خلد میں یارب! یہیں رہنے دے تو مجھ کو

یہ دُنیا ہے تو جنّت کی نہیں ہے آرزو مجھ کو

نظر کے سامنے رقصاں ہیں رنگیں وادیاں گویا!

شراب و شعر میں ڈوبی ہوئی ساری فضائیں ہیں؛
افق پر موجزن آوارہ خوابوں کی گھٹائیں ہیں؛
فضائیں بس رہی ہیں نور کی آبادیاں گویا!

خلا میں پرفشاں ہیں خواب کی شہزادیاں گویا!
بہار روکیف سے لبریز مستانہ ہوائیں ہیں!
اور اِن میں منتشر غمگین رُوحوں کی صدائیں ہیں؛
مہیّا ہیں سکون و ہوش کی بربادیاں گویا!

وہ دنیا ہے جہاں جنّت کے نظّارے برستے ہیں!
شفق کی سطح پر آباد خوابوں کے جزیرے ہیں!
ستاروں کے سمندر، ماہتابوں کے جزیرے ہیں!
بہاریں منظروں میں پھول اور تارے برستے ہیں!
فضا ہے مست، موجِ نکہتِ بادِ بہاری سے!
اور اس پر تیرتا پھرتا ہوں میں بے اختیاری سے!
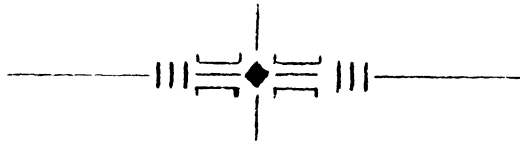
جزیرۂ خواب

رنگین ——— کچھ روحیں کچھ کمسن روحیں دیکھ رہی ہیں خواب !
معصومانہ خواب !

زرّیں ——— خواب کی موجوں پر ہے رقصاں کشتیٔ مہتاب !
اک طفلانہ خواب !

شفاف ——— ایک فضائے سیمیں، نور و نکہت سے معمور !
سرشار و مدہوش !

پرخواب ——— ایک سوادِ رنگیں ہے رنگ و بو سے مخمور !
جنّت کا ہمدوش !

تاریک ——— سپنوں کی لہروں پر ہے رواں کشتی مہ خاموش!

بزمِ جہاں سے دُور!

آزاد ——— اور یہ رُوحیں خوابیدہ اک گوشے میں مدہوش!

کون و مکاں سے دُور!

ملّاح ——— اُس کی پرّی خواب۔ ہے جانا سوئے وادیِ کیف!

موجِ بہارِ خواب!

خاموش ——— بیخودیوں کا ایک جزیرہ رُوئے وادیِ کیف!

ایک دیارِ خواب!
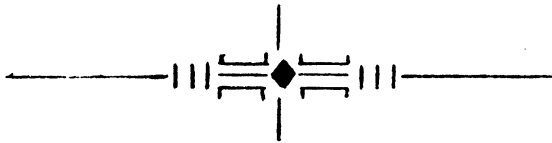
دُنیا

تری دنیا میں گر مکّار ہی مکّار بستے ہیں

تو میرا سینہ کیوں اخلاص سے معمور ہے یارب

مرا ہی دل مئے اُلفت سے کیوں مخمور ہے یارب

ترے مے خانۂ ہستی میں گر عیّار بستے ہیں

تری دنیا اگر بے درد انسانوں کا مسکن ہے

تو مجھ کو کیوں کیا ہے دردِ دل سے آشنا تو نے

مجھی کو کیوں بنایا پیکرِ رحم و وفا تو نے

تری دنیا اگر خونخوار حیوانوں کا مسکن ہے

اگر اپنوں کے غم پر مسکراتے ہیں تیرے بندے
تو مجھ کو کیوں پرائے غم پہ بھی رونا سکھایا ہے
مری آنکھوں میں کیوں سارے جہاں کا دکھ بسایا ہے
اگر اس حال میں آنکھیں چراتے ہیں ترے بندے
تری دنیا کی رونق مکر جھوٹ اور بے وفائی ہے
یہاں تیری خدائی ہے کہ شیطاں کی خدائی ہے
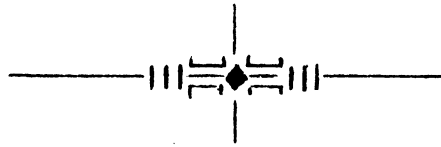
وادیِ گنگا میں ایک رات

کرتے ہیں مسافر کو محبّت سے اشارے
اے وادیِ گنگا ترے شاداب نظارے
یہ بکھرے ہوئے پھول یہ نکھرے ہوئے تارے
خوشبو سے مہکتے ہوئے دریا کے کنارے

یہ چاندنی رات اور یہ پُر خواب فضائیں
اک موجِ طرب کی طرح بیتاب فضائیں
سبزے کا ہجوم اور یہ شاداب فضائیں
مہکے ہوئے نظّارے ہیں بہکے ہوئے تارے

یہ تارے ہیں یا نور کے میخانے ہیں آباد
معصوم و حسیں حوروں کے کاشانے ہیں آباد
مستانہ ہواؤں پہ پری خانے ہیں آباد
یا دامنِ افلاک میں بے تاب شرارے
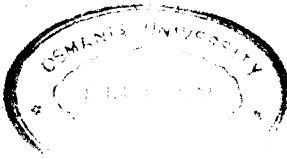
مہتاب ہے یا نور کی خوابیدہ پری ہے
الماس کی صورت ہے کہ مندر میں دھری ہے
مرمر کی صراحی مئے سیمیں سے بھری ہے
اور تیرتی ہے نیل کی موجوں کے سہارے

نیندوں میں ہیں کھوئی ہوئی بیدار ہوائیں
گلنار ہیں گل ریز گہر بار ہوائیں
ہیں نور میں ڈوبی ہوئی سرشار ہوائیں
یا بال فشاں مستئِ نکہت کے نظارے

صحرا ہیں کہ خوابیدہ نظاروں کے شبستاں
دامن میں لئے چاند ستاروں کے شبستاں
فردوس کی پُر کیف بہاروں کے شبستاں
شاعر کو تمنّا ہے یہیں رات گزارے
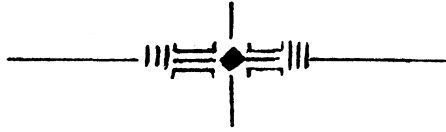
عورت

کہیں وہ شعر کے پردے میں چھپ کر مسکراتی ہے
مصوّر کی نظر میں اُس کی تصویریں پریشاں ہیں!
ادب کی محفلوں میں اُس کی تنویریں پریشاں ہیں!
مغنّی کی صدا میں نغمہ بن کر جھلملاتی ہے
نقابِ ساز میں آہنگ بن کر تھرتھراتی ہے
نقوشِ آب و گل میں اُس کی تعمیریں پریشاں ہیں!
صنم سازی کی تہ میں اُس کی تفسیریں پریشاں ہیں!
حریم رنگ و بُو میں کیف بن کر لہلہاتی ہے

ہر اک تصویر کے رنگوں میں نکہت اُس کی آوارہ!

حسین اور خوشنما اشعار شاداب اُس کے نغموں سے

ہمارے بربطوں کے تار بے خواب اُس کے نغموں سے

بتوں کے مرمریں پردوں میں رنگت اُس کی آوارہ

غرض جب تک یہ دنیا ہے اور اس کی دلربائی ہے!

ہماری زندگی پر صرف عورت کی خدائی ہے!
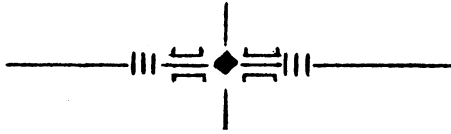
نغمۂ محبّت

بہارِ صبحِ عُریانی ہے جسمِ یاسمیں اِس کا!

لباس سادہ ہے تزئین کی صورت سے بیگانہ!

یہ صحرائی حسینہ ہے ہر اک زینت سے بیگانہ!

نہیں ممنون غازے کا جمالِ دلنشیں اس کا!

مُعرّا ہے ہر آرائش سے حسنِ نازنیں اس کا!

تکلّف سے بَری اور ناز کی عادت سے بیگانہ!

ہر اک وحشی نظر، غمزہ کی کیفیّت سے بیگانہ!

مگر ہے عشق سے لبریز قلبِ آتشیں اس کا!

محبّت، جب کسی کے جذبِ دل کو گدگداتی ہے!

نہیں کرتی ہے فرق شہر و صحرا ماہتاب آسا!

چلی آتی ہے ہر دوشیزہ کے دل میں حجاب آسا!

اور آکر ساز کے تاروں کی تہ میں مسکراتی ہے!

فضا میں موجزن، نغمات کا نظّارہ ہوتا ہے

اور ایک اک نغمہ سوزِ عشق کا گہوارہ ہوتا ہے
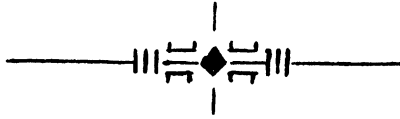
ایک نوجوان بُت تراش کی آرزو

ایک ایسا بُت بناؤں کہ دیکھا کروں اُسے!
آسُودہ ہے خیال کا پیکر بنا ہوُا
خوابِ عدم میں مست ہے جوہر بنا ہوُا
اِک مرمریں حجاب سے پیدا کروں اُسے!

پھُولوں میں جیسے جذبۂ نکہت نہفتہ ہو
یا جلوے بیقرار ہوں آغوشِ رنگ میں
یُوں اُس کی رُوح، خفتہ ہے دامانِ سنگ میں
ظلمت میں جیسے نوُر کی صُورت نہفتہ ہو

دن رات، صبح و شام، میں پُوجا کروں اُسے!

میرا گدازِ رُوح، جبیں سے مچل پڑے!

اُس کی نظر سے جذبِ محبّت اُبل پڑے!

سازِ نفس کو توڑ کے گویا کروں اُسے!

فن، خوابِ مرگ، بن رہے بت ساز کیلئے!

دنیا پکارتی رہے آواز کے لئے!
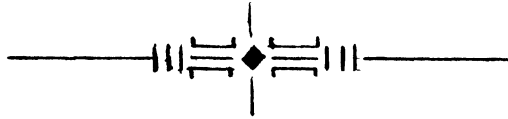
میرا راز

تیرا دِل موسیقیٔ احساس کا اک ساز ہے!

جس کی فریاد اشکِ خونیں ہو کے بہہ سکتی نہیں
اور خموشی بن کے سینے میں بھی رہ سکتی نہیں

یعنی تیرے دِل میں مضطر کوئی غمگیں راز ہے!

جو ہم آوازِ فغاں ہو کر بھی بے آواز ہے!

رُوح تیری جس کی بیتابی کو سہہ سکتی نہیں
اور کہنا بھی اگر چاہے تو کہہ سکتی نہیں

نالہ مجبُورِ سکوں حالات کا اعجاز ہے!

لیکن "اے شیریں" زمانے میں اک ایسا دل بھی ہے!

جو ترے احساس کی آواز سے ہے آشنا!

تیرے سازِ دل کے غمگیں راز سے ہے آشنا!

جس کا اندازہ تجھے آساں بھی ہے مشکل بھی ہے!

محوِ حیرت ہو کے اب کیوں گوش بر آواز ہے؟!

آہ تیرے راز کی تفسیر "میرا راز" ہے!!
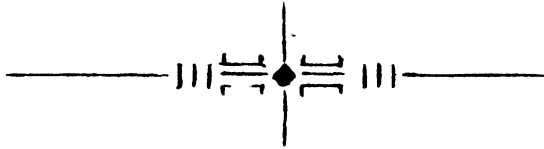
معصومیتِ شباب

(۱)

لیلیٰ شب کے پریشان ہیں گیسوئے سیاہ

شورش آبادِ جہاں تیرہ و تار

نشہ برساتی ہے مدہوش ستاروں کی نگاہ

نیند میں غرق ہے سارا سنسار

چار سُو چھا گئی خاموشی و ظلمت کی سپاہ

نور و آہنگ نے لی راہِ فرار

نیند کی سیج سے جاگ اُٹھا ہے خوابیدہ گناہ

شیرِ خونخوار ہو جیسے بیدار

(۲)

راتے کے پردوں میں آباد سیہ خانے ہیں
تیرہ و تار مہیب اور خوں ریز
ذوقِ عصیاں کے بھبکتے ہوئے میخانے ہیں
تہہِ ظلمات میں شورش انگیز
معصیت کاری کے بپھرے ہوئے مستانے ہیں
رُوحِ دوشیزگی سے گرم ستیز
اِن کے فولاد گوں پنجوں میں جو پیمانے ہیں
خونِ عصمت سے ہیں یکسر لبریز

(۳۷)

چار سُو موجزن اک حشرِ سیہ کاری ہے

تند و ہنگامہ فگن، طوفانی

بزمِ انسانی پہ اِک ابرِ گنہ طاری ہے

خیرگوں، شعلہ فشاں، ہیجانی

ہر طرف فسق کا سیلابِ بلا جاری ہے

شورش انگیز و پُر از طغیانی

محشرستانِ سیہ مستی و سرشاری ہے

مست ہے جلوہ گہِ انسانی

(۴)

یہ سماں دیکھ کے اِک حُور وہاں آتی ہے
مشکبُو زلفوں کو بکھرائے ہوئے
اور نظر اِس ستم آباد پہ دوڑاتی ہے
فرطِ تقدیس سے گھبرائے ہوئے
عالمِ سوگ میں مبہوت سی رہ جاتی ہے
اشکِ غم آنکھوں میں چھلکائے ہوئے
چاندنی کی کرن اِک نُور سا برساتی ہے
سینۂ صاف پہ لہرائے ہوئے

(۵)
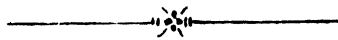
فلکِ حسن کا گم گشتہ ستارہ کہئے
جس سے روشن ہے فضائے صحرا
جنّتِ قدس کا آوارہ نظارہ کہئے
جس سے رنگیں ہے ہوائے صحرا
بحرِ رعنائیٔ فطرت کا کنارہ کہئے
جس سے ہے مست ادائے صحرا
جذبِ موسیقی کا اِک نقشِ دلارا کہئے
نغمۂ رُوح فزائے صحرا

(۶)

اِک فرشتوں کے سے لہجہ میں وہ کرتی ہے خطاب

آہ وہ لہجہ حزین و غمناک

کہ تم اے رہزنِ عفّت و آوارہ شباب

سرخوش و بے خود و مست و ناپاک

تم جو عصمت کا لٹاتے ہو یہ دُرِّ نایاب

کرکے دامانِ تقدّس کو چاک

یہ وہ جوہر ہے جسے مہر و نجوم و مہتاب

رشک سے دیکھتے ہیں اور افلاک

(۷)

ہاں یہ اِک جاذبۂ فطرتِ ربّانی ہے
اور دنیا کی مثالوں سے بری
عالمِ قُدس کا اِک جوہرِ نورانی ہے
روشن از جلوۂ انجمِ سحری
اس گنہ زار میں بہرِ دلِ انسانی ہے
برتر از مریمِ حُور و پری
رُوحِ قدرت کا یہ اِک جلوۂ عرفانی ہے
یا الٰہیّتِ ذوقِ بشری

(۸)

یہ وہ نشّہ ہے کہ ایسا کسی صہبا میں نہیں

رُوحِ کیفیتِ صہبا کی قسم

یہ وہ موتی ہے کہ ایسا کسی دریا میں نہیں

قعرِ تاریکیِ دریا کی قسم

یہ وہ تابش ہے کہ جو حسنِ ثریّا میں نہیں

نُورِ رخسارِ ثریا کی قسم

یہ وہ لذّت ہے کہ جو الفتِ سلمیٰ میں نہیں

جذبۂ الفتِ سلمیٰ کی قسم

(۹)

ذرّے ذرّے میں ہے اک روحِ حقیقت مستور
اور ہر ذرّے کی قسمت ہے وہی

سینۂ شمع میں ہے سوزِ محبّت مستور
شمعِ پر سوز کی فطرت ہے وہی

غنچے کے دل میں ہے اک جذبۂ نکہت مستور
غنچے کی سرمدی صورت ہے وہی

ہے جوانی میں یوں ہی جلوۂ عصمت مستور
اور جوانی کی حقیقت ہے وہی

(۱۰)

مہِ تابندہ جو محرومِ لطافت ہو جائے

نام اُس کا مہِ تاباں نہ رہے

روشنیِ صبحِ درخشاں کی جو غارت ہو جائے

صبح پھر صبحِ درخشاں نہ رہے

شام سے دُور اگر شام کی رنگت ہو جائے

شام، شامِ شفق افشاں نہ رہے

گر جوانی یوں ہی بیگانۂ عفّت ہو جائے

لائقِ پیکرِ انساں نہ رہے

(۱۱)

ساز کے پردے میں بے تاب گر آواز نہ ہو
ساز پھر ساز نہ کہلائے کبھی

دلِ نکہت میں اگر جذبۂ پرواز نہ ہو
صحنِ گلشن کو نہ مہکائے کبھی

گُل میں گر ذوقِ نمو پردہ برآواز نہ ہو
گل نگاہوں کو نہ للچائے کبھی

گر جوانی میں بھی تقدیس کا یہ راز نہ ہو
وہ جوانی نہ نظر آئے کبھی

———— ॥❁॥ ————

(۱۶)

مئے رنگیں سے اگر نشّہ و لذّت چھن جائے

سادہ پانی ہے وہ یا موجِ شراب؟

ماہِ تاباں سے اگر نور و لطافت چھن جائے

تودۂ خاک ہے وہ یا مہتاب

گلِ رعنا سے جو رنگینیٔ و نکہت چھن جائے

سوکھی پتی ہے وہ یا برگِ گلاب

جس جوانی سے کہ رنگینیٔ عفت چھن جائے

اشکِ پیری ہے وہ یا حسنِ شباب

(۱۷)

الغرض فلسفۂ ذوقِ جوانی یہ ہے
کہ جوانی نہ لٹائی جائے

مئے پارینہ کی خوبی کی نشانی یہ ہے
مدّتوں تک وہ چھپائی جائے

عصمت اور اُس کے مظاہر کی کہانی یہ ہے
شاعروں کو نہ سُنائی جائے

مذہب شعر کی الہام نشانی یہ ہے
معصیت خوب بڑھائی جائے

(۱۸)

کب تک؟ اے گمرہو! یہ عالمِ غفلت کب تک

اور یہ نفس پرستی تا چند؟

موجۂ خوں میں یہ دورۂ وحشت کب تک

دل میں یہ جذبۂ پستی تا چند؟

روح آلودۂ تاریکیِ ذلّت کب تک

اور یہ جذبات کی مستی تا چند؟

یہ شباب اور یہ بربادیِ غفلت کب تک

اِن گناہوں کی یہ بستی تا چند؟

(۱۹)

رُوح کے گل کدے ویران ہوئے جاتے ہیں
شیطنت کاری کے بنتے مسکن
دل کے شورش کدے سنسان ہوئے جاتے ہیں
اور جذباتِ صفا کے مدفن
ذوق بیگانۂ طوفان ہوئے جاتے ہیں
اور منزل گہِ صد اہرمن
جو تھے انسان وہ حیوان ہوئے جاتے ہیں
آہ او سفلگیٔ چرخِ کہن

(۲۰)

آئے گا ایک دن آئے گا کہ شرماؤ گے تم
اور میں ہاتھوں سے نکل جاؤنگی

عالمِ پیری میں میرے لئے گھبراؤ گے تم
اور میں صورت بھی نہ دکھلاؤنگی

یاد کرکے مجھے پھر روؤ گے پچھتاؤ گے تم
میں مگر ہاتھ نہیں آؤنگی